حکیم محمود احمد ظفر

سیدنا طفیل بن عمرو دوسیؓ کا قبول اسلام

اسلامی تحریک ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی۔ قریش مکہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مختلف قسم کی اذیتوں سے پریشان کر رکھا تھا۔ توحید کا نام لینا اپنے کو گویا مختلف مصائب کے الاؤ میں جھونکنا تھا۔ جاں نثاران نبوت مختلف آزمائشوں میں مبتلا تھے اور کفار ان کے لیے نت نئے ستم ایجاد کرتے رہتے تھے۔ خود سرکار مدینہ ﷺ بھی ان کی ستم رانیوں سے محفوظ نہ تھے۔ ان کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ کہیں سر مبارک پر دھول ڈالی جاتی۔ پتھر مارے جاتے۔ اللہ کا نبی جب حرم پاک میں سر بسجود ہوتا تو نابنجار ستم گار آپ پر طرح طرح کے ظلم وستم کرتے۔ آپ کے ساتھیوں میں بے سہارا طبقہ ظالموں کا خصوصی تختہ مشق ہوتا۔ سیدنا بلال بن رباحؓ اور امیہ بن خلف کا جور وجفا' عرب کی دوپہر آفتاب نصف النہار پر' بلال کی ننگی پشت' کبھی آہنی زرہوں میں ملفوف ننگا بدن' انگارے سی جھلتی ریت' سینے کے اوپر بوجھل تپتے پتھر' سینے کے اندر حرارت ایمان سے دھڑکتا دل' زبان پر احد احد۔ خباب بن الارتؓ جیسے بے آسرا لوگ ظالموں کے بد ترین ظلم وستم کا تختہ مشق تھے۔ خبابؓ کو دہکتے کوئلوں پر لٹایا گیا اور سینے پر ایک بد بخت پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کہ کروٹ نہ لے سکیں۔ مدتوں بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو سنایا تو پیٹھ کھول کر دکھائی جو برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۲۹) انہی دنوں طفیل بن عمرو دوسیؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

طفیل بن عمرو دوسیؓ قبیلہ دوس کے رئیس تھے۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد تھا اور بڑا طاقتور تھا۔ ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا۔ طفیلؓ شعر وسخن میں نہایت بلند حیثیت کے حامل تھے۔ بڑے زیرک' دانشور اور فہیم تھے۔ وہ قبیلہ کو اپنی قوت بیانی اور طلاقت لسانی سے جدھر چاہتے' مائل کر لیتے تھے۔ قریش سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے۔

قریش مکہ کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی نووارد کو مکہ میں دیکھتے تو اس کو سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے اس قدر متنفر کرنے کی کوشش کرتے کہ اگر وہ خاص آپ ہی کی ملاقات کے خیال سے مکہ مکرمہ آیا ہوتا تو وہ آپ سے ملاقات کے بارے میں اپنا ارادہ فسخ کر دیتا۔ قریش نے جب سنا کہ طفیل بن عمرو دوسیؓ مکہ آئے ہیں تو وہ اس خیال سے بہت پریشان ہوئے کہ اگر انہوں نے محمد (ﷺ) سے ملاقات کی اور وہ ان کے گرویدہ ہو گئے تو ان کا سارا قبیلہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے کیونکہ ان کا قبیلہ ان کا خاصا زیر اثر ہے۔

سیدنا طفیلؓ کا بیان ہے کہ جونہی میں نے مکہ شہر کی سرزمین میں قدم رکھا' قریش کے آدمی مجھ سے آکر ملنے لگے اور ہر شخص مجھ سے یہی کہتا "طفیل! تم ہمارے شہر میں نو وارد اور مہمان ہو' اس لیے ہم تمہیں ازراہ ہمدردی اور خیر خواہی خبردار کرتے ہیں کہ یہاں محمد (ﷺ) نام کا ایک شخص ہے جس نے ہماری جمعیت اور وحدت قومی کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اس کا کلام جادو سے بھرا ہے۔ وہ اپنی طلاقت لسانی اور سحر آمیز قوت بیانی سے باپ بیٹے' بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی کی خلیج پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ تم نووارد ہونے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر اور نا آشنا ہو اس لیے ہمیں تمہاری طرف سے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس یہ ہمارا دوستانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران اس شخص سے دور رہو اور اس کی بات کی طرف ہرگز کان نہ دھرو۔

سیدنا طفیلؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے مجھے آپؐ کی طرف سے اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ بالفرض سر راہے آپؐ سے ملاقات بھی ہو جائے تو آپؐ کی کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن یہ ساری باتیں بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ دوسرے ہی دن میں نے آپ کو مسجد حرام میں بیت اللہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے یہ طریق عبادت بہت پسند آیا۔ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں اگرچہ چاہتا تھا کہ آپ کا کلام نہ سنوں لیکن آپؐ نماز میں جو آیات پڑھ رہے تھے' وہ میرے کان تک پہنچ گئیں۔ جب میں نے وہ آیات سنیں تو اس کلام میں بڑی دل آویزی اور جاذبیت معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: میں ایک شاعر' دانشور اور مبصر ہوں۔ نیک وبد میں بخوبی تمیز کر سکتا ہوں۔ اچھے اور برے کو جان سکتا ہوں۔ میں یہ کلام ضرور سنوں گا۔

جب آپؐ نماز سے فارغ ہو کر مسجد الحرام سے واپس ہوئے تو میں بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ کاشانہ نبوت پر پہنچے تو میں بھی پہنچ گیا۔ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کے کلام سے اس قدر خوفزدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی

یہاں تک کہ لوگ مجھے "ذوالقطن" کہنے لگے، لیکن مشیت ایزدی نے انکار کیا کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ چنانچہ آج آپ کا کلام کان میں پڑا تو بہت اچھا معلوم ہوا' لہٰذا آپ اپنا دین مجھ پر پیش کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق وصداقت کی روح نظر آئی تو ضرور قبول کروں گا۔ آپ نے دین کے بنیادی اصول میرے سامنے پیش کیے جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہو گئے۔ پھر آپ نے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ میں خود عربی زبان کا ایک بہت بڑا شاعر تھا۔ محاسن کلام کو بخوبی سمجھتا تھا۔ بخدا میں نے قرآن حکیم سے بہتر کبھی کوئی کلام نہیں سنا اور آپ کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں کوئی حکیمانہ تقریر نہیں سنی تھی۔ اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط دین اور کوئی نہیں پایا۔ چنانچہ میں بادۂ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گیا اور اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

پیغمبر کا طریقہ تبلیغ

سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی میں یہ بات کامل طور پر نظر آتی ہے کہ دعوت میں آپ کا طریقہ یہ نہ تھا کہ کچھ مقرر الفاظ کو ہر ایک کے سامنے دہرا دیا کریں بلکہ مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی بات رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ دعوت کے کلمات جب داعی کی زبان سے نکلتے ہیں تو اس میں ایک اور شے شامل ہو جاتی ہے اور وہ ہے داعی کی اپنی ذات۔ یہ اضافہ دعوت کو ایک زندہ عمل بنا دیتا ہے جو باعتبار حقیقت ایک ہونے کے باوجود اتنی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے جس کی کوئی گنی بندھی فہرست نہیں بنائی جا سکتی۔ داعی کے سینے میں خوف خدا سے لرزتا ہوا دل' مدعو کے ایمان کے لیے بچوں کی سی معصوم اور بے قرار تمنا' یہ جذبہ کہ اگر میں خدا کے بندوں کو خدا کے قریب کر سکوں تو مجھ سے خوش ہو جائے گا۔ یہ چیزیں نہ صرف کلمات دعوت میں کیفیت کا اضافہ کرتی ہیں بلکہ اس کو باعتبار ظاہر انتہائی متنوع بھی بنا دیتی ہیں کیونکہ مدعو کو متاثر کرنے کا پرشوق جذبہ اس کو مجبور کرتا رہتا ہے کہ ہر ایک کے ذہن کی مکمل رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی بات رکھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں ایک بار آپؐ نے ابو سفیان اور اس کی بیوی ہند کو ابن عساکر کی روایت کے مطابق ان الفاظ میں دعوت دی۔

"اے ابو سفیان اور اے ہند! خدا کی قسم، تم کو ضرور مرنا ہے۔ اس کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو بھلا ہوگا' وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو برا ہوگا' وہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' حق کے ساتھ کہہ رہا ہوں (وانا اقول کم بحق)"

مکہ کے رئیس اور بزرگوں سے آپ کی گفتگو اس طرح ہوئی "اے حصین! تم کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟" اس نے کہا "سات کی زمین میں اور ایک جو آسمان پر ہے" آپ نے فرمایا "جب مصیبت آئے تو کس کو پکارتے ہو؟" اس نے کہا "آسمان والے کو" آپ نے پھر پوچھا "جب مال پر تباہی آئے تو کس کو پکارتے ہو؟" اس نے کہا "آسمان والے کو" آپ نے فرمایا "وہ اللہ تو تنہا تمہاری فریاد رسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو؟"

اسی طرح مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ابو امامہؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک قبیلہ کا آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ "اللہ نے آپ کو کیا چیز دے کر بھیجا ہے؟" آپ نے جواب میں فرمایا "یہ کہ صلہ رحمی کی جائے' قتل ناحق سے بچا جائے' راستوں کو پرامن امن رکھا جائے' بتوں کو توڑا جائے' صرف ایک خدا کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے"

آپ کے لیے ایک مستقل اور اہم ترین ذریعہ تبلیغ خود قرآن تھا۔ یہی قرآن آپ نے عتبہ ابن ربیعہ کو سنایا اور یہی ولید بن مغیرہ کو اور یہی قرآن آپ نے طفیل بن عمرو دوسیؓ کو سنایا اور جب بھی کوئی شخص آپ کو ملتا تو آپ اسے قرآن کا کوئی نہ کوئی حصہ پڑھ کر سناتے۔ روایات میں اکثر اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں۔

ثم ذكر الاسلام وتلا عليهم القرآن فعرض عليهم الاسلام وقرا عليهم القرآن

قرآن کی کشش اور جاذبیت عربوں کے لیے اتنی حیرت انگیز تھی کہ اسلام کے بعض کٹر مخالفین بھی راتوں کو چھپ کر آپ کے مکان کے پاس آتے اور دیوار سے لگ کر آپ کا قرآن سنتے جو آپ رات کی تنہائیوں میں پڑھتے۔ قرآن کا آسمانی ادب عربوں کو بے پناہ طور پر متاثر کرتا تھا۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ نے قرآن ہی سے متاثر ہو کر اپنے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ "یہ تو اتنا بلند کلام ہے کہ دوسرے تمام کلام اس کے آگے پست ہو جاتے ہیں"

عتبہ بن ربیعہ نے بھی قرآن ہی سنا تھا اور جب آپ اسے قرآن سنا چکے تو فرمایا' ابو الولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا' سن چکے اور میں نے جو کچھ تمہاری باتوں کا جواب دینا تھا' وہ دے چکا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ عتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا جنہوں نے اپنا نمائندہ بنا کر محمد (ﷺ) کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے چہرے کے خدوخال اب پہلے سے مختلف تھے۔ اسے واپس آتا دیکھ کر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "بخدا! ابو الولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو چہرہ لے کر وہ گیا تھا۔ عتبہ کے قلب پر اس کلام کے اچھے خاصے اثرات تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۳۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۹۳۔ عیون الاثر ج ۱ ص ۱۹۶)

یہی قرآن سیدنا عمرؓ نے بھی سنا تھا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اور ایک دفعہ اپنی بہن فاطمہؓ کے منہ سے۔ ابن ہشام میں ہے کہ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں حرم کعبہ میں گیا اور چاہا کہ بیت اللہ کا طواف کروں۔ میں نے وہاں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں قرآن کریم میں تلاوت فرما رہے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں غلاف کعبہ کے پیچھے چھپ کر آپ کا قرآن سننے لگا۔ جب میں نے آپ سے قرآن سنا تو میرے دل میں رقت پیدا ہوئی۔ فلما سمعت القران رق فی قلبی ۔ پس میں خوب رویا اور میرے دل میں اسلام داخل ہوگیا۔ فبکیت و دخلنی الاسلام میں وہیں غلاف کعبہ کے پیچھے کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز ختم فرمائی۔ آپ وہاں سے چل دیے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میری آہٹ محسوس کی تو مجھے پہچان لیا۔ آپ نے یہ سمجھا کہ میں آپ کو اذیت دینے کے لیے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپؐ نے مجھے خوب ڈانٹا اور فرمایا: "خطاب کے بیٹے! کیا ابھی تمہارے ایمان لانے کا وقت نہیں آیا۔" میں نے کہا: "آگیا" (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۸-۳۴۹)

ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ اسلامؐ کے لیے قرآن سنانا اس زمانہ میں ایک عام طریقہ تبلیغ بن گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا مصعب بن عمیرؓ جب مبلغ کی حیثیت سے مدینہ طیبہ بھیجے گئے تو ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ لوگوں سے باتیں کرتے اور قرآن سناتے۔ قرآن سنانے کی وجہ سے ان کا نام "مقری" پڑ گیا۔ وکان یدعی المقرئی (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۳۷)

یثرب کا سب سے پہلا شخص جس کو آپ نے اسلام کی دعوت دی، غالباً سوید بن صامت خزرجی تھے۔ اس سے آپ نے اسلام کا ذکر کیا تو اس نے کہا، شاید آپ کے پاس وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ آپ نے پوچھا "تمہارے پاس کیا ہے؟" اس نے کہا "حکمت لقمان"۔ آپ نے فرمایا: "بیان کرو۔" اس نے کچھ اشعار سنائے۔ آپ نے فرمایا "میرے پاس قرآن ہے جو اس سے بھی اعلیٰ اور افضل ہے۔" اس کے بعد آپ نے اسے قرآن سنایا تو وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ یثرب واپس جا کر اس نے جب اپنے قبیلہ کے سامنے اسلام کا پیغام رکھا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔
(طبری ج ۲ ص ۲۳۲)

نبوت کے دسویں سال یثرب کے دو شخص سعد بن زرارہ اور ذکوان بن قیس مکہ آئے اور عتبہ بن ربیعہ کے ہاں ٹھہرے۔ پیغمبر اسلام کا تذکرہ سنا تو آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ آپ نے ان دونوں کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ دونوں حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ پھر وہ اپنے میزبان عتبہ کے پاس جانے کی بجائے سیدھا یثرب چلے گئے۔ یہ ان پہلے لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اہل یثرب تک اولاً اسلام پہنچایا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا بات سیدنا طفیل بن عمرو دوسیؓ کی ہو رہی تھی۔ سیدنا طفیلؓ کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔ آپ حق تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیے کہ وہ مجھے کوئی نشانی عطا فرما دے جو اس بارہ میں میری معین و مددگار ہو۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی: اللھم اجعل لہ آیۃ "اے اللہ اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔" فرماتے ہیں کہ میں سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت ہو کر واپس اپنے وطن پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوگیا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما دے۔ میری قوم کے لوگ کہیں اس کو مثلہ (شکل اور ہیئت بدل بدل جانا) نہ سمجھ لیں۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ باپ دادا کا دین چھوڑنے کی وجہ سے اس کی شکل و صورت بدل گئی ہے۔ حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہوگیا اور وہ کوڑا ایک قندیل کی مانند ہوگیا۔

میں رات کو گھر پہنچا۔ میرے والد ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ میری آمد کی خبر سن کر علی الصبح میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں عرض کیا کہ میں آپ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بتلا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرا اور آپ کا تعلق منقطع ہے۔ والد نے کہا: بیٹا! کیوں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا طوق غلامی اپنی گردن میں ڈال کر ان کے دین میں داخل ہوگیا ہوں۔ اور آپ کفر و شرک کی نجاست اور گندگی میں آلودہ اور غلطاں ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے والد محترم کی قسمت میں دولت ایمان لکھی ہوئی تھی اس لیے کوئی تلخ جواب دینے کی بجائے فرمایا: بیٹا! وہ دین جو تم نے اختیار کیا ہے اگر وہ واقعی حق و صداقت پر مبنی ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں نے کہا، آپ فوری طور پر غسل کر کے پاک کپڑے پہنئے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میری طرح وہ بھی حلقہ ایمان میں داخل ہوگئے۔

میری اہلیہ کو میری آمد کی خبر ہوئی۔ وہ بھی آئیں۔ میں نے اسے بھی کہا کہ آئندہ کے لیے میرے اور تمہارے تعلقات بالکل منقطع ہوچکے ہیں۔ بیوی نے وجہ دریافت کی۔ میں نے اس کو بھی وہی جواب دیا کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کا پاکیزہ دین اختیار کیا ہے جو تمہارے غلیظ دین سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ میں نے اسے کہا کہ اگر تجھے یہ اندیشہ ہے کہ بتوں کو چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ

پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھو کہ بتوں میں کوئی قدرت نہیں۔ وہ ایسے بے حس ہیں کہ انہیں اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں۔ بیوی کے ساتھ میری والدہ نے بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت حاصل کی۔

بعد ازاں میں نے اپنے قبیلے دوس کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول اسلام کرنے میں تامل کیا۔ (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس وقت صرف سیدنا ابوہریرہؓ اسلام لائے۔ الاصابہ ج ۲ ص ۲۲۹) قبیلہ کا یہ انکاری رویہ دیکھ کر مجھے بہت فکر ہوئی۔ میں دوبارہ عازم مکہ ہوا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے تمام گھر والے دولت ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں۔ لیکن قبیلہ نے ایمان کی دعوت کو قبول نہیں کیا' لہٰذا ان کے لیے بد دعا فرمایئے۔ آپ تو رحمت کائنات تھے۔ وہاں تو بد دعا بھی دعا کا روپ دھار لیتی تھی۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اللھم اھد دوسا" وائت بھم "اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت فرما اور مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔ پھر فرمایا: "طفیل! جاؤ انہیں نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔ میں نے واپس آکر انہیں نرمی اور آشتی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔

اسی اثناء میں سرکار دوعالم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد جب آپ ۷ھ میں غزوہ خیبر کی طرف تشریف لے گئے تو اس وقت میں اپنے قبیلہ کے ستر یا اسی گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ الرسول بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ میرے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ہم پر بڑی نوازشات فرمائیں۔

فتح مکہ کے بعد میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ عمرو بن حممہ کے بت ذوا لکفین کے جلانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرما دی اور سیدنا طفیلؓ نے جا کر اس بت کو نذر آتش کر دیا۔ آپ بت جلاتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے

یاذا الکفین لست من عبادکا   میلادنا اکبر من میلادکا

انی حشوت النار فی فوادکا

یعنی اے ذوا لکفین! میں تیری عبادت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔ میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے۔

اس بت کے جلنے سے قبیلہ دوس کے باقی ماندہ لوگ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ طفیلؓ پھر مدینہ طیبہ آگئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ پھر یہ اور ان کے بیٹے عمرو بن الطفیلؓ جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنھایہ ج ۳ ص ۹۸-۱۰۱ ۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۸۲-۳۸۵)

بعض روایات میں ہے کہ اندھیری رات میں ان کا کوڑا روشن ہو جاتا۔ اس وجہ سے وہ "طفیل ذی النور" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

= = = = = = = = = = = = = = = = = = = =

دعوت اسلام اور اس کے تقاضے

میں کہوں گا کہ پہلے سوچ تو لو کہ تمہیں کہاں تبلیغ کرنا ہے' اندرونی گوشوں میں یا بیرونی میدان میں۔ اگر اندرونی تبلیغ کرنا چاہتے ہو تو بہت سی برائیاں تمہاری آنکھوں کے سامنے مذہب کے دامن پر رینگتی پھر رہی ہیں' ان کو دور کرو۔ اور اگر بیرونی تبلیغ تمہارے پیش نظر ہے تو کسی اقدام سے پہلے یہ معلوم کرو کہ دنیا کیا چاہتی ہے' اس کو کس چیز کی پیاس ہے اور تم اس کی پیاس کو کس طرح بجھا سکتے ہو اور وہی چیز پہلے اس کے سامنے پیش کرو۔ ورنہ تمہاری کوششیں لاحاصل اور بیکار ہیں۔ دنیا کا رخ دیکھو' معلوم ہو گا کہ وہ اسی کو ڈھونڈ رہی ہے جو پیغام اسلام کا ہے۔ اسلام کا پیغام نجات اور دائمی راحت ہے۔ پھر دنیا مسلسل مصائب سے گھبرا کر اسی کی تلاش میں ہے۔

امریکہ کے صرف ایک صوبے میں پچاس کلب ایسے موجود ہیں جو عقد موقت کی اشاعت کر رہے ہیں۔ یعنی لوگ ایک مدت کے لیے نکاح کریں کیونکہ اگر مسیحی قانون کے مطابق نکاح کرتے ہیں تو وہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور اگر دونوں کا میل نہیں ہوا تو دونوں کی زندگی مسلسل عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی فطرت کا اقتضا تھا۔ وہاں شادیاں چار چار اور چھ چھ مہینوں کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ لیکن تمہارے پاس یہ چیز جو کہ وہ اب پا سکے ہیں' پہلے سے موجود ہے اور عین فطرت ہے اور اسی قسم کے دوسرے قوانین ہیں جو عین فطرت کے مطابق ہیں۔ دیکھو ایک طرف تو نکاح کی اہمیت قائم ہے اور دوسرے ایسے ناگفتہ بہ مصائب سے گلو خلاصی کے لیے بھی دروازہ کھلا ہے۔ آج یورپ و امریکہ معاشرتی نظام کا نقشہ اور وہ بھی نامکمل بنا رہے ہیں حالانکہ مکمل نقشہ اسلام میں ایک زمانے سے اور کامل طور پر موجود ہے۔ (مولانا ابو الکلام آزادؒ)